ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

عقیدہ توحید و رسالت کا آیاتِ اَقسام القرآن کی روشنی میں تفسیری جائزہ

AN EXEGETICAL ACCOUNT OF MONOTHIESM AND PROPHETHOOD OF MUHAMMAD ﷺ IN THE QURANIC VERSES OF OATHS

Zunaira Ashfaq, Lecturer,
Government Islamia Graduate College, Railway Road, Lahore
Fatima Iqbal, Lecturer,
Government Graduate College for Women, Jaranwala, Faisalabad

Abstract:
The Quran itself is a linguistic miracle and depicts excellent eloquence. Many literal tools have been used by Allah Almighty in the Quran to adopt a stylistic approach and communicate with human beings in the most impactful way. As taking oaths and swearing over things is the most used tool to elicit trust in communications, so Quran has frequent oaths and swears to catch attention of the listeners. Anyone reciting the Quran can see that Allah Almighty has sworn by Himself and by His different creations too. This approach has beautified the words of Allah Almighty and made the Quran a book of communicative wonders. Allah Almighty's swears are not like ordinary swears of these Worldly talks and couldn't be compared with humanistic oaths. This paper covers the introductory elements of the oaths and discusses the belief in the oneness of Allahعزوجل and in the prophecy of Muhammad ﷺ. It elaborates the oaths on these beliefs in the light of exegesis of different Quranic scholars.

Key Words: Oaths, Quran, Features, Words, Allah Almighty

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذاتِ بابرکات نے کائنات کی تخلیق کے بعد جب انسانیت کی تخلیق کی تو اس کی ہدایت کا سامان بھی ساتھ ہی کیا۔ انبیاء کو مبعوث فرما کر ان پر کتب وصحائف کے نزول کا ایسا زبردست انتظام فرمایا کہ انسانیت کی رشد وہدایت کے لیے ایک مربوط کڑی بنی رہی۔ پھر اس سلسلہ رسالت کو **خاتم النبیین محمد** مصطفیٰ ﷺ کی رسالت کے ساتھ مکمل فرمادیا۔ رسولِ عربی محمد مصطفیٰ ﷺ کی رسالت خاتم ہونے کے ساتھ ساتھ ان پر نازل کردہ کتاب بھی کائنات میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی نازل کردہ آخری الہامی کتاب ہے۔ اس کتاب نے نا صرف مکمل ضابطہ حیات اور منبعِ ہدایت ہونے کا کام کیا ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تا قیامت محفوظ و مامون کتاب بھی ہے کیونکہ اس کتاب کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ ربّ العزت نے لیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَه لَحٰفِظُوْنَ﴾[1]

قرآن کریم حقائق ومعارف اور علوم کا ایک عظیم اور نا ختم ہونے والا خزانہ ہے اور دستورِ حیات، کتابِ ہدایت، خیر وفلاح کا سرچشمہ، حقیقیت کا آئینہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ انفرادی واجتماعی مسائل کے لیے دائمی اور مستقل رہنمائی بھی مہیا کرتا ہے۔ کتاب اللہ کی حفاظت کا وعدہ اس طرح پورا ہوا کہ علمائے کرام نے اس کی آبیاری میں اپنی زندگیاں کھپادیں۔ اس کے ہر ہر پہلو کی توضیح کو اپنا نصب العین بنایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر اب تک ڈھیروں علوم وجود میں آئے، انہی علوم میں سے ایک اقسام القرآن بھی ہے۔ اقوامِ عالم کے ہاں قَسم اصل میں تاکید کے اسلوبوں میں سے ایک اسلوب ہے، اسلام سے قبل عربوں کے معاشرے میں قسم کو بہت اہمیت حاصل تھی۔ عہدِ اسلامی میں بعض نامناسب یعنی شرکیہ قسمیں ممنوع ہوگئیں البتہ بعض جو شرک سے پاک تھیں، جاری رہیں اور شرع میں قابل لحاظ ہوئیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے دلیل وحجت کے کمال اور اس کی پختگی کے لیے قسم کا ذکر فرمایا ہے۔

کسی مسئلے میں مخاطب کے اطمینان کے دو طریقے ہیں: ایک تو شہادت ہے اور دوسرا قسم۔ قرآن مجید میں یہ دونوں طریقے استعمال ہوئے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں قسم کے ذریعے انتہائی چونکا دینے والے انداز میں اصولِ ایمان، جیسا کہ عقیدہ توحید، رسالت، وعد و وعید اور جزا و سزا پر دلائل دیے گئے اور اس پر تحقیق کرکے قرآن کے اس اسلوب کو سمجھنا نہایت اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس سے قرآن کے اسلوب ومفاہیم، دلیل وبرہان، فصاحت وبلاغت، ایجاز وبیان کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ اس موضوع پر عربی میں ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ فراہی کا کام قابلِ بیان اور مشہور ہے۔ کئی علوم القرآن کی کتب، جیسا کہ مناع القطان، مصطفیٰ دیب البغا، علامہ سیوطی اور علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہم کی کتب

میں اس فن کا احاطہ کیا گیا ہے اور اس کے اہم نکات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ تحقیق ہذا میں ان اہم کتب سے استفادہ کیا گیا ہے اور عقیدہ توحید اور رسالت محمدی ﷺ سے متعلقہ اہم ترین تفسیری نکات کو اختصار کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

قسم کا معنی و مفہوم:

القسم : بفتح القاف والسین ، الیمین ، وھو : تأکید الشيء بذکر مُعَظَّم [2]

قسم کے معنی یمین اور حلف کے ہیں، یعنی کسی شے کی تاکید کسی بڑی (عظمت والی شے) سے کرنا، اس کی جمع اقسام ہے اور یہ باب افعال سے ہے۔ قرآن مجید میں دو سو سے زائد قسمیں استعمال ہوئی ہیں۔ صریح قسمیں سو کے قریب ہیں۔[3]

قسم کے تین ارکان ہیں:

۱۔ **فعلِ قسم:** جس فعل سے قسم کھائی جائے۔ ۲۔ **مقسم بہ:** جس شے کی قسم کھائی جائے۔ ۳۔ **مقسم علیہ:** جس شے کی طرف قسم لوٹائی جائے۔[4]

قسم کی دو انواع ہیں:

ظاہر: فعلِ قسم اور مقسم بہ مذکور ہوتا ہے، بعض اوقات فعل قسم کو حذف کر کے حرفِ قسم آتا ہے۔

مضمر: فعلِ قسم اور مقسم بہ محذوف ہوتے ہیں۔[5] یہ دو طرح سے ہوتی ہے:

1. **معنی کی دلالت:** ﴿وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا﴾[6]
2. **لام تاکید کا دخول:** ﴿لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ﴾[7]

قسم کی اہمیت و ضرورت

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ "التبیان" میں لکھتے ہیں: والقصد بالقسم تحقیق الخبر وتوکیده۔[8] یعنی قسم کا مقصد خبر کی تحقیق اور تاکید ہے۔ لہٰذا مجموعی طور پر قسم درج ذیل امور کے لیے ضروری اور اہم ہوتی ہے:

۱۔ بات کو پختہ کرنا ۲۔ مخاطب کو یقین دلانا ۳۔ بیان میں تاکید پیدا کرنا

۴۔ مخاطب کی توجہ اور اعتماد حاصل کرنا ۵۔ خبر کی اہمیت کو اجاگر کرنا ۶۔ کلام میں جاذبیت پیدا کرنا

۷۔ مقسم بہ کی عظمت نیز اس کی تخلیق کی حکمت و فضیلت واضح کرنا[9]

قسم کی ابتداء

عرصہ قدیم سے اس کا استعمال ہو رہا ہے، شیطان نے بھی آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام کو ورغلانے کے لیے قسم کھائی تھی۔[10]

﴿وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ﴾[11] اور (شیطان نے) ان دونوں سے قسم کھا کر کہا میں تو تمہارا خیر خواہ ہوں۔

قرآنی قسمیں اور عقیدہ توحید

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے قرآن مجید میں اصول ایمان پر متعدد قسمیں کھائی ہیں۔ جن میں ظاہر اور مضمر دونوں اقسام شامل ہیں۔ صرف ظاہری قسمیں کل چھتیس (۳۶) سورتوں میں اکتالیس (۴۱) بار مذکور ہیں، جبکہ مضمر اقسام ان کے علاوہ وافر موجود ہیں۔ یہاں مقسم علیہ کے اعتبار سے اقسام القرآن کی عقیدہ توحید پر مشتمل آیات کی تفسیر پیش کی گئی ہے:

- **سورۃ الصّٰفّٰت:**

﴿وَالصَّافَّاتِ صَفًّا۔ فَالزَّاجِرَاتِ زَجْرًا۔ فَالتَّالِيَاتِ ذِكْرًا۔ إِنَّ إِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ۔ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ۔﴾[12] صف باندھ کر کھڑے ہونے والوں کی قسم ہے۔ پھر جھڑک کر ڈانٹنے والوں کی۔ پھر ذکر الٰہی کے تلاوت کرنے والوں کی۔ البتہ تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ آسمانوں اور زمین اور اس کے اندر کی سب چیزوں کا اور مشرقوں کا رب ہے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

سورۃ الصّافّات کی کل ۱۸۲ آیات اور پانچ رکوع ہیں۔ زمانہ نزول کے اعتبار سے اس کا شمار مکی سورتوں میں ہوتا ہے نیز مضامینِ سورۃ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مکی زندگی کے درمیانی دور کے اواخر میں نازل ہوئی ہے، جبکہ مشرکین مکہ کی مخالفت خاصی شدت اختیار کر چکی تھی اور انہوں نے دعوتِ اسلام کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ سورۃ نازل فرمائی؛ جس میں توحید، آخرت اور رسالت کے مضامین پر بحث کی گئی ہے اور انہیں واضح نشانیوں کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔
سورت کے آغاز میں توحید باری تعالیٰ کے اثبات پر فرشتوں کی قسم کھائی گئی ہے۔ پہلی تین آیات میں مقسم بہ کا ذکر ہے اور ﴿إِنَّ إِلَٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ﴾ میں جواب قسم مذکور ہے۔

وَالصَّافَّاتِ صَفًّا:

صافات "صفّ" سے ماخوذ ہے۔ علامہ راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ اس کے معنی بیان کرتے ہیں: أن تجعل الشيء علي خط مستو[13] کسی چیز کو خط مستوی پر کھڑا کرنا۔ لہٰذا 'صافات' کے معنی ہوئے صف باندھ کر کھڑے ہونے والے۔ اس کی تفسیر سے متعلق مفسرین کرام نے مختلف آراء پیش کی ہیں:

1. اس سے مراد ملائکہ ہیں: ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ، عکرمہ، سعید بن جبیر، مجاہد اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہم نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔[14] ملائکہ، جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور صف بستہ حکمِ الٰہی کے منتظر ہیں تاکہ جونہی حکم ربانی ہو، سب سے پہلے وہ اسے بجالائیں۔ بعض نے اسے عبادت کے ساتھ خاص کیا، یعنی فرشتے صف بستہ رب تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہیں۔
2. اس سے مراد مومنین کی جماعت ہے، جب وہ نماز میں ربّ العالمین کے حضور صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔[15]

سوو اصفوفکم فإن تسوية الصف من تمام الصلاة[16] تم لوگ اپنی صفیں برابر رکھا کرو کیونکہ صف بندی سے نماز کی تکمیل ہوتی ہے۔

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الا تصفون كما تصف الملائكة عند ربها" قال: قلنا: وكيف تصف الملائكة عند ربها قال:" يتمون الصفوف الاول ويتراصون في الصف"[17] "تم اس طرح صفیں کیوں نہیں باندھتے جس طرح فرشتے اپنے رب کے پاس باندھتے ہیں؟" ہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! فرشتے اپنے رب کے پاس کس طرح صف باندھتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پہلی صفوں کو مکمل کرتے ہیں، اور صف میں ایک دوسرے سے خوب مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔"

3. بعض نے اس سے مراد میدان جنگ میں دشمنانِ اسلام کے خلاف صف بستہ مومنین کی جماعت لی ہے۔[18]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَرْصُوصٌ﴾[19] بے شک اللہ ان لوگوں کو پسند فرماتا ہے جو (ظلم کے خاتمے اور حق کی مدد کے لیے) اُس کی راہ میں (یوں) صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں۔

4. ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد پرندوں کی جماعت ہے، جو اُفق پر پَر پھیلائے اور سمیٹے ہوئے جوق در جوق محوِ پرواز ہوتے ہیں۔[20]

ان کی دلیل یہ آیت قرآنی ہے: ﴿أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَافَّاتٍ﴾[21] کیا اُنہوں نے پرندوں کو اپنے اوپر پر پھیلائے ہوئے نہیں دیکھا؟

جمہور مفسرین کے نزدیک پہلا قول راجح ہے، جس میں صافات سے مراد فرشتوں کی جماعت لی گئی ہے اور اس قول کی تائید اسی سورۃ کی آیت ۱۶۵ سے بھی ہوتی ہے جس میں فرشتے کہتے ہیں: ﴿وَإِنَّا لَنَحْنُ الصَّافُّونَ﴾[22] بلاشبہ ہم صف باندھے کھڑے ہیں۔

فَالزَّاجِرَاتِ زَجْرًا:

زاجرات 'زجر' سے مشتق ہے جس کے معنی کسی شخص کو ڈرا دھمکا کر برے کام سے باز رکھنے کے ہیں۔ پھر اس کو مطلق ڈانٹ ڈپٹ کی آواز یا کسی کو بھگانے یا دور کرنے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔[23] صفا اور زجرا مصادر موکدہ ہیں اور ترتیب وار فضیلت کے لیے آئے ہیں۔[24]

مفسرین کرام نے الزاجرات زجرا کے متعدد مطالب بیان کیے ہیں:

1. اس سے مراد فرشتوں کا بادلوں اور ہواؤں کو ہانکتے اور ڈانٹتے ہوئے ایک مقام سے دوسرے مقام لے جانا ہے تاکہ وہ حکم الٰہی کی تعمیل میں سبقت لے جائیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور سدی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قول کی تائید کی ہے۔[25]

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

2. اس کے معنی انسانوں کو ان کے گناہوں اور اعمال سیئہ پر ملامت وپھٹکار کرنے والے ہیں۔ مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے: "اس کی یہ پھٹکار صرف لفظی ہی نہیں ہوتی بلکہ انسانوں پر وہ حوادث طبیعی اور آفات تاریخی کی شکل میں برستی ہے۔"[26]
3. اس سے ان فرشتوں کی قسم مراد ہے جو آسمانی خبر رسانیوں سے شیاطین کی بندش کرتے ہیں۔ تفسیر ماجدی میں یہی قول مذکور ہے۔[27]
4. قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد آیات قرآنیہ ہیں جن میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسانوں کی اعمال سیئہ پر زجر وتوبیخ کی ہے۔[28]

بہر حال راجح قول یہی ہے کہ اس میں اشارہ ملائکہ کی جانب ہے اور آگے کی آیات سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ یہاں فرشتوں کا شیاطین کو زجر وتوبیخ کرنا مراد ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَيُقْذَفُونَ مِن كُلِّ جَانِبٍ﴾[29] وہ (شیاطین) عالمِ بالا کی طرف کان نہیں لگا سکتے اور اُن پر ہر طرف سے (انگارے) پھینکے جاتے ہیں۔

فَالتَّالِيَاتِ ذِكْرًا:

تالیات 'تلی' سے مشتق ہے جس کے معنی تلاوت کے ہیں اور تالیات سے مراد تلاوت کرنے والے ہوئے۔ ذِکر کے معنی تذکیر ووعظ اور نصیحت کے ہیں۔ قرآن کو بھی ذکر کہا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾[30]

حقیقت یہ ہے کہ یہ ذکر (یعنی قرآن) ہم نے ہی اُتارا ہے، اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

التَّالِيَاتِ ذِكْرًا سے متعلق آراء:

1. اس سے مراد فرشتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی وحی اتارنے والے ہیں، یا حوادث زمانہ کی شکل میں انسانوں کو امر حق کی تذکیر کرنے والے ہیں یا پھر اللہ کے نیک بندوں کو الہامات کی صورت نیکی کی جانب توجہ دلانے والے ہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور سدی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اسی قول کی تائید کی ہے۔[31]
2. اس سے مراد جبرائیل امین علیہ السلام ہیں اور ان کے لیے جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے، اس لیے کہ آپ علیہ السلام ملائکہ کے سردار ہیں اور تمام فرشتے آپ علیہ السلام کی اتباع کرتے ہیں۔[32]
3. اس سے مراد کلام الٰہی کی تلاوت کرنے والی جماعت مسلمین ہے یا علماء مبلغین جو لوگوں کو حق کی دعوت دینے والے ہیں۔ اس سے وہ تلاوت قرآن کی اہمیت وفضیلت نیز اللہ عزوجل کے ہاں اس کے مقام ومرتبت پر استدلال کرتے ہیں۔[33]

تاہم جمہور مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ تینوں آیات قرآنیہ میں الصافات صفا، الزاجرات زجرا اور التالیات ذکرا سے ملائکہ کی جماعت مقصود ومراد ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

" والصافات صفا " قال الملائكة " فالزاجرات زجرا " قال الملائكة " فالتاليات ذكرا " قال الملائكة[34]

إِنَّ إِلَٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ:

یہ جواب قسم ہے اور حرف انّ اس پر دلالت کر رہا ہے۔ مفردات القرآن میں ہے:

وإله جعلوه اسما لكل معبود لهم[35] الہ کا لفظ عام ہے اور ہر معبود پر بولا جاتا ہے (خواہ وہ معبودِ برحق ہو یا معبودِ باطل)

اسی لیے مشرکین آگ اور سورج کو الہ پکارتے تھے۔ البتہ یہاں لواحد فرما کر اس کی تخصیص کر دی گئی ہے۔ لام حروفِ تاکید میں سے ہے، یعنی یقیناً تمہارا معبود حقیقی واحد ویکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہاں اپنی الوہیت پر فرشتوں کی قسم کیوں اٹھائی ہے؟ علماء کرام نے اس کی متعدد وجوہات بیان کی ہیں:

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

1. مفتی شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قسم محاورات میں تاکید کے لیے ہے، جو اکثر منکر کے مقابلہ میں استعمال کی جاتی ہے لیکن بسا اوقات محض ایک مضمون کو مہتم بالشان ظاہر کرنے کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں۔ قرآن کریم کی قسموں کا تتبع کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ عموماً مقسم بہ مقسم علیہ کے لیے بطور ایک شاہد یا دلیل کے ہوتا ہے۔[36]
2. یہاں فرشتوں کی قسم اٹھانے کا مقصد ان کی فضیلت و مرتبت ظاہر کرنا ہے، کیونکہ قسم انہی کی کھائی جاتی ہے جو اس کے قابل ہوں۔[37]
3. بعض مقسم بہ کی مقسم علیہ پر شہادت کے حامی ہیں انہوں نے اس کی مختلف تاویلات پیش کی ہیں۔ مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چونکہ مشرکین مکہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے (سورت کے آخر میں بھی اس عقیدے کی مفصل تردید کی گئی ہے اور سورت کے مجموعی طرز سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت میں شرکت کی اس خاص قسم (یعنی فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دینے) کی تردید بطور خاص پیش نظر رہی ہے) اسی لئے سورت کو فرشتوں کی قسم کھا کر اور ان کے اوصاف بندگی کا ذکر کر کے شروع کیا گیا ہے۔[38] شیخ محمد جمال نے بھی اپنی تفسیر میں یہی تاویل ذکر کی ہے۔[39]
4. مولانا عبد الرحمٰن کیلانی کا کہنا ہے کہ تینوں اقسام کے فرشتوں کی قسم رب العالمین کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہے۔ فرماتے ہیں:

"کائنات اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور ذکر یا قرآن اللہ تعالیٰ کا قول یا کلام ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے قول اور فعل میں نہ اختلاف ہو سکتا ہے اور نہ تضاد۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ کا کلام پڑھ کر اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ معبود حقیقی صرف ایک ہی ہو سکتا ہے تو لا محالہ اس کائنات کے مربوط اور منظم نظام پر غور کرنے کے بعد بھی ہم اسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ اور یہ دونوں چیزیں ایک دوسری کی تائید و توثیق کرتی ہیں اور ان میں پوری ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔"[40]

رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ:

یہ جواب قسم الٰہکم لواحد ہی کی وضاحت ہے۔ یعنی کہ تمہارا معبود حقیقی تو وہ ہے جو زمین و آسمان اور ان کے درمیان جو کچھ ہے نیز تمام مشرقوں کا رب ہے۔ اس کے علاوہ جن کی بھی تم عبادت کرتے ہو وہ اس لائق نہیں کہ انہیں معبود بنایا جائے۔ بلکہ وہ تو خود معبود برحق کے تابع اور محتاج ہیں۔

رسالتِ محمدی ﷺ اور اقسام القرآن

عقیدہ توحید کی مانند رسالت محمدی ﷺ سے متعلق عقیدے کی تاکید کے لیے رب کائنات نے قرآن مجید میں مختلف اقسام کا استعمال کیا ہے، ان کا تفسیری ادب کی روشنی میں خلاصہ درج ذیل ہے:

- **سورۃ الحاقہ:**

﴿فَلَا أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُونَ۔ وَمَا لَا تُبْصِرُونَ۔ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ۔ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ۔ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ۔ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ۔﴾

پس نہیں میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جو تم دیکھتے ہو اور ان کی بھی جنہیں تم نہیں دیکھتے۔ یہ ایک رسول کریم کا قول ہے۔ کسی شاعر کا قول نہیں، تم لوگ کم ہی ایمان لاتے ہو۔ اور نہ یہ کسی کاہن کا قول ہے، تم لوگ کم ہی غور کرتے ہو۔ اور یہ رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے۔

یہ مکی سورت ہے۔ اس کی کل ۵۲ آیات اور ۲ رکوع ہیں۔ اس میں آخرت کا بیان ہے، ﴿فَلَا أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُونَوَمَا لَا تُبْصِرُونَ﴾ مقسم بہ ہیں اور باقی آیات رَّبِّ الْعَالَمِينَ تک مقسم علیہ ہیں۔ یہاں قرآن کے منزل من اللہ اور محمد ﷺ کے رسول برحق ہونے پر قسم کھائی گئی ہے۔ وجہ قسم یہ ہے کہ جو تمہیں نظر آتا ہے یعنی آفاق و انفس کی نشانیاں اور جو کچھ نظر نہیں آتا یعنی امور غیبی، سب اس بات پر شاہد ہیں کہ یہ قرآن کسی شاعر یا کاہن کا کلام نہیں بلکہ ربّ العالمین کا نازل کردہ ہے۔

فَلَا أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُونَ وَمَا لَا تُبْصِرُونَ:

یہاں حرفِ لا سے متعلق مفسرین کی دو معروف آراء ہیں:

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

1. اولاً یہ کہ حرف لا قسم کی نفی کے لیے آیا ہے۔ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قول کی تائید کی ہے، وجہ یہ بیان کی ہے کہ کیونکہ بات کھلی ہوئی ہے، قسم کھا کر اس کو پختہ کرنے کی ضرورت نہیں۔[41] یعنی کہ مقسم علیہ کی حقیقت اس قدر واضح ہے کہ اس کو قسم کے ذریعے موکد کرنے کی چنداں حاجت نہیں۔
2. ثانیاً یہ کہ لا کا تعلق کلام حذوف سے ہے اور اس میں مخاطب کے خیال کی تردید کی گئی ہے۔ کافر معاذ اللہ یہ سمجھتے تھے کہ محمد ﷺ نے قرآن کی نسبت خدا کی طرف غلط کی ہے اور یہ خود شاعر یا کاہن ہے۔ لہذا ان کے اس قول کو رد کر کے قسم کے ذریعے حقیقت حال کی تاکید کی گئی ہے۔ جمہور مفسرین نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

يقول تعالى مُقسمًا لخلقه بما يشاهدونه من آياته في مخلوقاته الدالة على كماله في أسمائه وصفاته وما غاب عنهم مما لا يشاهدونه من المغيبات عنهم: إن القرآن كلامُه ووحيه[42]

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لیے مخلوقات میں سے ان چیزوں کی قسم کھائی ہے جو ان کے مشاہدے میں آتی ہیں اور اس کی کمال قدرت اور اسماء وصفات پر دلالت کرتی ہیں نیز ان چیزوں کی بھی جو ان کے مشاہدے میں نہیں آتیں، جیسے امور غیبی۔ یہ تمام چیزیں قرآن کے کلام اللہ اور وحی ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

اسی موقف کو بہت سے مفسرین نے اختیار کیا ہے۔ مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ اسی رائے کی تائید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس میں تمام مخلوقات آ گئیں۔ نہ دیکھنے کی چیزوں سے مراد حق تعالیٰ کی ذات وصفات ہیں اور دیکھنے کی چیزوں سے مراد دنیا کی چیزیں ہیں۔[43]

جبکہ مودودی رحمۃ اللہ علیہ اس سے مختلف نقطہ نظر پیش کرتے ہیں۔ وہ دیکھی جانے والی چیزوں سے مراد نبی کریم ﷺ کا کردار لیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اس کلام کو ایک ایسا شخص پیش کر رہا تھا جس کا شریف النفس ہونا مکہ کے معاشرے میں کسی سے چھپا ہوا نہ تھا۔ ایسے شخص سے توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ اتنا بڑا جھوٹ گھڑے۔ وہ یہ بھی علانیہ دیکھ رہے تھے کہ اس کلام کو پیش کرنے میں اس شخص کا اپنا کوئی ذاتی مفاد پیش نظر نہیں ہے، اور نہ دیکھی جانے والی چیز سے مراد ذاتِ باری تعالیٰ ہے جو کائنات کی خالق و مالک اور فرمانروا ہے۔[44]

صاحب فی ظلال القرآن کلام میں وسعت پیدا کرتے ہوئے مَا لَا تُبْصِرُونَ کی وضاحت کچھ اس طرح کرتے ہیں کہ یہ کائنات انسانی مشاہدے سے بہت زیادہ عظیم ہے حتی کہ اس کے ادراک سے بھی ماوراء ہے۔ انسان اس کائنات کے بہت ہی تھوڑے حصے کا ادراک کر سکتا ہے۔ وہ کہتے ہیں: یہ اشارہ انسانی دل ودماغ کو کھول دینے والا ہے۔ جب انسان یہ دیکھتا ہے کہ انسانی فکر و نظر کے موجودہ دائرے سے ورا بھی کچھ پہلو ہیں، کچھ جہاں اور بھی ہیں، کچھ اسرار ورموز پوشیدہ بھی ہیں جو ابھی انسان کو نظر نہیں آ رہے تو اس طرح انسانی تصور انسانی ادراک کو وسعت ملتی ہے۔ تاہم الفاظ قرآنی میں ان تمام پہلوؤں کی گنجائش موجود ہے۔ یہ قران کا ایجاز ہے کہ مختصر الفاظ میں معانی کا بحر بے کراں سمو دیا۔

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ:

جمہور مفسرین رسول کریم سے مراد محمد ﷺ لیتے ہیں جبکہ صاحب انوار البیان نے ایک شاذ رائے بھی ذکر کی ہے۔ اس کی رو سے رسول کریم سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ کلام جس کے واسطے سے تم لوگوں تک پہنچ رہا ہے وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا بھیجا ہوا قاصد ہے۔[45] تاہم جمہور کی رائے زیادہ راجح معلوم ہوتی ہے۔ اور ان کی دلیل یہ ہے کہ یہاں قرآن کو رسول کریم کا قول کہنے کے بعد فرمایا گیا ہے کہ یہ کسی شاعر یا کاہن کا قول نہیں ہے اور ظاہر ہے کفار مکہ جبرائیل علیہ السلام کو نہیں بلکہ محمد ﷺ کو شاعر اور کاہن کہتے تھے۔ بخلاف اس کے سورۃ تکویر میں قرآن کو رسول کریم کا قول کہنے کے بعد فرمایا گیا ہے کہ وہ رسول بڑی قوت والا ہے، صاحب عرش کے ہاں بلند مرتبہ رکھتا ہے، وہاں اس کی بات مانی جاتی ہے، وہ ایمانت دار ہے اور محمد ﷺ نے اسے روشن افق پر دیکھا ہے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کو محمد ﷺ اور جبرائیل کا قول کس معنی میں کہا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ لوگ اس کو حضور ﷺ کی زبان سے اور حضور ﷺ اسے جبرائیل کی زبان سے سن رہے تھے۔ اس لیے ایک لحاظ سے یہ حضور ﷺ کا قول تھا اور دوسرے لحاظ سے جبرائیل علیہ السلام کا۔ لیکن آگے چل کر بات واضح فرما دی کہ یہ فی الاصل ربّ العالمین کا نازل کردہ ہے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ۔ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ:

رسول اللہ ﷺ اور قرآن پر جو الزامات مشرکین مکہ نے لگائے ان میں سے ایک یہ تھا کہ آپ ﷺ شاعر ہیں اور دوسرا یہ تھا کہ آپ ﷺ کاہن ہیں، معاذ اللہ۔ یہ ان کا ایک سطحی شبہ تھا اور اس کی وجہ ان کا یہ وہم تھا کہ شاعروں پر جن آتے ہیں اور ان کو یہ باتیں بتاتے ہیں۔ اسی طرح کاہنوں کو بھی وہ جنوں کے ساتھ تعلقات رکھنے والے سمجھتے تھے۔ لیکن یہ شبہ بہت ہی بے بنیاد تھا، اس لیے کہ قرآن اور شاعری بالکل جدا جدا ہیں، دونوں کے درمیان بنیادی فرق پایا جاتا ہے۔ قرآن کریم ایک مکمل نظام حیات پیش کرتا ہے جبکہ شعر محض چند تاثرات، جذبات اور واقعات پر مشتمل ہوتا ہے اور اس کا نظام زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

یہی معاملہ کہانت کا ہے۔ آج تک تاریخ انسانی میں کوئی کاہن ایسا نہیں گزرا جس نے ایک مکمل نظام زندگی اور فلسفہ زندگی دیا ہو جس طرح قرآن پیش کرتا ہے۔ کاہنوں سے جو کچھ نقل ہوا ہے، وہ چند مہمل کلمات، چند سجع اور قافیے جن میں تیر تکے لڑائے گئے ہیں اور ایک آدھ کہیں کوئی سنی سنائی حکمت کی بات بھی ہوتی ہو گی۔

تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ:

اس میں کلام سابق کی تاکید بھی ہے اور توضیح بھی۔ کوئی کم فہم قول رسول کریم کا یہ مطلب سمجھ سکتا ہے کہ یہ ان کا ذاتی کلام ہے، لہذا واضح فرما دیا کہ یہ کلام تمہارے سامنے نکلا تو رسول کریم ﷺ کی زبان سے ہے لیکن نازل شدہ ربّ العالمین کی طرف سے ہے۔[46]

- **سورۃ الضحیٰ:**

﴿وَالضُّحَىٰ۔ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ۔ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ﴾

آفتاب کی روشنی کی قسم۔ اور رات (کی تاریکی) کی جب چھا جائے۔ کہ (اے محمد ﷺ) تمہارے پروردگار نے نہ تو تم کو چھوڑا اور نہ (تم سے) ناراض ہوا۔

سورۃ الضحیٰ کل ۱۱ آیات اور ایک رکوع پر مشتمل ہے۔ یہ سورۃ بھی بالاجماع مکی سورتوں میں سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ پر کچھ زمانہ ایسا گزرا جس میں وحی الٰہی کا نزول منقطع ہو گیا۔ اجماع المفسرین کے مطابق یہ سورۃ اسی دور کے بعد نازل ہوئی۔ وحی الٰہی کے منقطع ہونے کی مفسرین کرام نے مختلف وجوہات پیش کی ہیں، کثیر الذکر روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ بیمار پڑ گئے اور دو یا تین روز کے لیے نماز تہجد کے لیے اٹھ نہ پائے اس پر ایک قرشی عورت بعض نے اسے ابولہب کی بیوی بتایا ہے، آپ ﷺ سے کہنے لگی: ما أرى شيطانك إلا ودعك[47] میں تیرے شیطان کو نہیں دیکھتی، معلوم ہوتا ہے کہ اس نے تجھے چھوڑ دیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ پر یہ دور نہایت کٹھن تھا نیز کفار نے بھی طرح طرح کی باتیں بنانا شروع کر دیں۔ چنانچہ اللہ عزوجل نے یہ سورۃ نازل فرمائی جس میں رسول محبوب ﷺ کی نہایت خوبصورتی کے ساتھ دل جمعی کا سامان کیا گیا ہے اور کفار کے تمام دعووں کو غلط ثابت کر دیا گیا ہے۔

وَالضُّحَىٰ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے دن اور رات کی قسم کھائی ہے۔ سجیٰ کا معنی رات کی تاریکی کا قرار پانا اور ساکن ہو جانا کے ہے۔[48] یعنی جب رات خوب گہری ہو جاتی ہے، دنیا کی گہما گہمی اپنے اختتام کو پہنچتی ہے اور ہر سو خاموشی اور سکونت طاری ہوتی ہے۔ تمام ذی روح سارے دن کی تھکان کے بعد سکون کی غرض سے قرار پکڑتے ہیں۔

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ:

یہ قسم کا جواب ہے کہ آپ ﷺ کے رب نے آپ ﷺ کو ہرگز تنہا نہیں چھوڑا اور نہ ہی وہ آپ ﷺ سے ناراض ہے۔ بلکہ مقسم بہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو رب تعالیٰ کی کمال حکمت کا تقاضا ہے۔ جیسے اس نے دن کے ساتھ رات کو پیدا کیا، روشنی کے ساتھ تاریکی کا جوڑ بنایا، حرکت کے ساتھ سکون کو لازم کیا، نیز یہ تمام اشیاء اپنے جوڑے کے ساتھ مل کر ہی اپنا مقصد پورا کرتی ہیں اور تنہا ان کا کوئی فائدہ نہیں۔ بالکل اسی طرح نفس انسانی کی نشو نما کے لیے بسط و کشاد کی لذت کے ساتھ انقباض کی کیفیت سے آشنائی بھی ضروری ہے۔ یہ تو وہ تاویل ہے جو ظاہر اور معروف ہے اور اکثر مفسرین نے اسے نقل کیا ہے۔ تاہم اس کے علاوہ بھی متعدد تاویلات کا تذکرہ ملتا ہے:

مودودی رحمۃ اللہ علیہ مقسم بہ کی مناسبت یوں بیان کرتے ہیں کہ جس طرح دن کا روشن ہونا اور رات کی تاریکی لیے ہوئے چھا جانا کچھ اس بنا پر نہیں ہوتا کہ اللہ جل جلالہ دن کے وقت لوگوں سے خوش اور رات کے وقت ان سے ناراض ہو جاتا ہے، بلکہ یہ دونوں حالتیں ایک عظیم حکمت و مصلحت کے تحت طاری ہوتی ہیں، اسی طرح آپ ﷺ پر کبھی وحی بھیجنا اور کبھی اسے روک لینا بھی حکمت و مصلحت کی بنا پر ہے۔[49] اس کا ہرگز یہ معنی نہیں کہ جب رب تعالیٰ آپ ﷺ سے راضی ہو تو وحی کا نزول فرمائے اور جب ناراض ہو تو یہ سلسلہ منقطع کر دے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

تفسیر حقانی میں ہے کہ الضحی یعنی وقت چاشت کو، (جبکہ آفتاب کی سلطنت کا عروج ہوتا ہے اور جہان میں نور پھیل جاتا ہے، رات کی تاریکی میں کوئی مخفی شے جو کہ دکھائی نہ دیتی تھی، اب مخفی نہیں رہتی) تقرب الٰہی اور نزول وحی کے وقت سے پوری مشابہت ہے، کیونکہ اس وقت حجاب ظلمانی دور ہو جاتے ہیں اور حقیقت کونی اور حقیقت الٰہی کا ظہور ہوتا ہے۔ اور لیل کو قبض و انقطاع وحی کے زمانے سے کمال مشابہت ہے۔ اسی لیے والضحیٰ کے مقدم کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایام غم، ہجر وانقطاع وحی تمام ہو چکے، اب روز فرح و سرور نزول وحی کا وقت آگیا۔[50] اس میں رسول اللہ ﷺ کے لیے خوشخبری ہے۔

رسید مژدہ کہ ایام غم نخواہد ماند

چناں نماند چنیں نیز ہم نخواہد ماند

خلاصہ بحث

قرآن مجید کو اللہ ربّ العالمین نے رہتی دنیا تک تمام جن وانس کے لیے منبع ہدایت بنایا ہے۔ دستورِ ربانی کے مطابق جس طرح بنی نوع انسان کی راہنمائی کے لیے انسانوں ہی میں سے انبیاء علیہم السلام کو بطور نمونہ پیش کیا گیا، بالکل اسی طرح قرآن چونکہ آج سے کم و بیش چودہ سو سال پہلے عرب کے دامن میں واقع ام القریٰ، مکہ معظمہ میں مقیم، قریش کے شہزادے محمد عربی ﷺ کے سینہ مبارک پر نازل ہوا اور انہوں نے پڑھ کر اہل عرب کو سنایا چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اسے عرب ہی کے محاورے پر نازل فرمایا۔ اہل عرب کے یہاں کلام میں تاکید پیدا کرنے اور مخاطب کی توجہ حاصل کرنے کے لیے قسم کا استعمال نہایت عام تھا۔ حتیٰ کہ اس کی ممانعت آجانے کے باوجود رب رحیم فرماتا ہے۔ ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ﴾ (البقرۃ:۲۲۵) اللہ تمہیں تمہاری لغو قسموں پر نہیں پکڑتا لیکن تم سے ان قسموں کا مواخذہ کرتا ہے جن کا تمہارے دلوں نے ارادہ کیا ہو۔

چنانچہ قرآن میں بھی اس اسلوب کو اختیار کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر ذات باری تعالیٰ، صفات باری تعالیٰ اور مخلوقات باری تعالیٰ کی قسم اٹھائی گئی ہے۔ مخلوقات کی قسم سے متعلق کمزور ایمان والے ذہنوں میں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ ان کی قسم کھانے کی کیا حکمت ہے جبکہ اللہ جل جلالہ نے خود انسان کو اپنے سوا تمام اشیاء کی قسم کھانے سے منع فرمایا ہے؟ علماء کرام نے اس کے متعدد جواب دیے ہیں۔ اولاً یہ کہ کیونکہ اہل عرب کے یہاں یہ طریقہ معروف تھا اور وہ ان اشیاء کی تعظیم کرتے تھے، اس لیے اللہ عزوجل نے بھی یہی طریقہ اپنایا ہے۔ بعض نے کہا کہ ان قسموں میں رب مضاف، محذوف ہے۔ اور تیسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ مخلوقات کی قسمیں بطور شواہد ذکر کی گئی ہیں جو بعد کے کلام پر دلالت کرتی ہیں۔ بہر حال اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان تمام پابندیوں سے بے نیاز ہے۔ وہ جس شے کی چاہے قسم اٹھا سکتا ہے کیونکہ وہی تمام مخلوقات کا خالق ومالک ہے البتہ انسان کے لیے جائز نہیں کہ وہ رب تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی قسم اٹھائے۔ پھر جن اشیاء پر قسم اٹھائی گئی ہے ان کے بارے میں بھی متعدد اقوال ہیں، نیز اقسام القران کے مطالعے سے بھی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اصول ایمان پر قسم کھائی ہے۔ اللہ عزوجل نے ایمانیات کو قسم کے ذریعے مؤکد اور اظہر من الشمس ثابت کرکے ایمان لانے والوں کے ایمان کو جلا بخشی ہے، ارشاد ربانی ہے: ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا﴾ (الانفال:۲)، (مومن تو وہ لوگ ہیں کہ جب اُن کے سامنے اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو اُن کے دل ڈر جاتے ہیں، اور جب اُن کے سامنے اُس کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ آیتیں اُن کے ایمان کو اور ترقی دیتی ہیں۔) اس کے ساتھ ہی ساتھ کفر کی راہ اختیار کرنے والوں کے لیے اتمام حجت کا انتظام فرمادیا ہے۔

حوالہ جات

[1] الحجر ۹:۱۵

[2] ابن عثیمین، محمد بن صالح (م:۲۰۰۱ء)، أصول في التفسير، مکتبہ الاسلامیہ، ۲۰۰۱ء، ص ۴۸

[3] عبد الجلیل عبد الرحیم، ڈاکٹر، لغۃ القرآن الکریم، مکتبہ الرسالۃ الحدیثۃ، الاردن، عمّان، ۱۹۸۱ء، ص ۲۶۵

[4] مناع القطان، مباحث في علوم القرآن، مکتبہ وھبیہ، القاہرہ، ۱۹۹۲ء، ص ۲۸۴

[5] ایضاً، ص ۲۸۷

[6] مریم ۱۹:۷۱

[7] آل عمران ۳:۱۸۶

8 ابن قیم الجوزیہ، محمد بن ابو بکر بن ایوب الزرعی، شمس الدین (م:۷۵۱ھ)، التبیان في أقسام القرآن، مکتبہ المتنبي، القاہرہ، س۔ن، ص۷

9 مصطفیٰ دیب البغا۔ محی الدین مستو، الواضح في علوم القرآن، دارالکلم الطیب۔ دارالعلوم الإنسانیہ، دمشق، ۱۹۹۸ء، ص ۳۱۰

10 رفیع الدین، ابوعبداللہ، شیخ، اقسام القرآن، مکتبہ رحمانیہ، کہروڑپکا، ۲۰۰۳ء، ص۹

11 الاعراف۷:۲۱

12 الصافات

13

14 قرطبی، ابوعبداللہ، محمد بن أحمد بن أبي بکر بن فرح الأنصاري الخزرجي شمس الدین، الجامع لاحکام القرآن، دار عالم الکتب، الریاض، ۲۰۰۳م، ۶۱/ ۱۵

15 ایضاً

16 صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب تسویۃ الصفوف واقامتھا، حدیث ۹۷۵

17 ابن ماجہ، ابوعبداللہ، محمد بن یزید بن عبداللہ، سنن ابن ماجہ، دار السلام، ریاض، ۱۹۹۹م، کتاب إقامۃ الصلاۃ والسنۃ، بَاب إِقَامَةِ الصُّفُوفِ، حدیث ۹۹۲

18 سمرقندی، ابواللیث، نصر بن محمد بن إبراھیم، بحر العلوم، دار الفکر، بیروت، س۔ن، ۳/ ۱۲۸

19 الصف (۶۱:۴)

20 ابوحیان، محمد بن یوسف بن علي بن یوسف بن حیان، تفسیر البحر المحیط، دار الفکر، س۔ن، ۷/ ۳۳۷

21 الملک (۶۷:۱۹)

22 الصافات (۳۷:۱۶۵)

23 غلام رسول سیدی، علامہ، تبیان القرآن، مکتبہ رضویہ، ۲۰۰۸م، ۹/ ۸۵۸

24 محمد نعیم دیوبندی، مولانا، تفسیر کمالین شرح تفسیر جلالین، دار الاشاعت، کراچی، ۲۰۰۸م، ۵/ ۲۸۰

25 ابو محمد، عبد الحق بن غالب بن عطیۃ الأندلسي، المحرر الوجیز في تفسیر الکتاب العزیز، دار الکتب العلمیۃ، لبنان، ۱۹۹۳م، ۴/ ۵۳۴

26 مودودیؒ، ابوالأعلی، مولانا، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۹۱م، ۴/ ۲۷۸

27 دریابادی، عبد الماجد، مولانا، تفسیر ماجدی، پاک کمپنی، لاہور، س۔ن، ۹۰۴

28 سیوطی، عبد الرحمن بن الکمال جلال الدین، الدر المنثور، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۳م، ۷/ ۸۷

29 الصافات (۳۷:۸)

30 الحجر (۱۵:۹)

31 طبری، محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب الآملي، جامع البیان في تأویل القرآن، مؤسسۃ الرسالۃ، ۲۰۰۰م، ۲۱/ ۵۵۷

32 الجامع لاحکام القرآن، ۱۵/ ۶۲

33 نعیمی، احمد یار خان، مفتی، نور العرفان علی کنز الایمان، فرید بک ڈپو، دہلی، س۔ن، ۷۱۱

34 بحر العلوم، ۳/ ۱۲۸

35 المفرادات فی غریب القران، ۲۱

36 عثمانی، شبیر احمد، علامہ، تفسیر عثمانی، دار الاشاعت، کراچی، ۲۰۰۷م، ۳/ ۲۲۹

37 دہلوی، نواب محمد قطب الدین، علامہ، جامع التفاسیر، مطبع نظام، کانپور، ۱۲۸۳ھ، ۱۷/ ۱۶۱

38 مفتی محمد شفیع، مولانا، تفسیر معارف القرآن، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، ۲۰۰۸م، ۷/ ۴۱۶

39 بلند شہری، محمد جمال، مولانا، جمالین فی شرح جلالین، زمزم پبلیشرز، کراچی، ۲۰۱۰م، ۵/ ۲۹۶

40 عبد الرحمٰن کیلانی، مولانا، تیسیر القرآن، مکتبہ السلام، وسن پورہ، ۱۴۳۱ھ، ۳/ ۶۹۷

[41] تفسیر مظہری،۱۲/۵۵

[42] تفسیر القرآن العظیم،۸/۲۱۷

[43] مفتی محمد شفیع، مولانا، تفسیر معارف القرآن، مکتبہ معارف القرآن، کراچی،۲۰۰۸م،۸/۵۴۷

[44] تفہیم القرآن،۶/۸۱

[45] انوار البیان فی کشف اسرار القرآن،۹/۲۷۰

[46] انوار البیان،۹/۲۷۰

[47] ابو حسن علي الواحدي النيسابوري، أسباب نزول الآيات، دار الباز للنشر والتوزيع، مکہ المکرمہ،۱۹۶۸م،۱/۴۱۲

[48] نظام الدين الحسن بن محمد بن قمي النيسابوري، علامہ، تفسیر غرائب القرآن ورغائب الفرقان، دار الکتب العلمیہ، بیروت-لبنان،۱۹۹۶م،۶/۵۱۴

[49] تفہیم القرآن،۶/۳۷۱

[50] حقانی، ابو محمد، عبد الحق، مولانا، تفسیر فتح المنان، کتب خانہ مرکز علم وادب، کراچی، س۔ن،۵/۲۰۰